ترقی کا اسلامی معیار

ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری

انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے احسن تقویم پر بنایا ہے اور اسے اوصاف عالیہ سے نوازا ہے۔ اسے زندگی کی اعلیٰ اخلاقی اقدار کا علم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے خیر و شر میں تمیز کرنے کی صلاحیت عطا کی ہے۔ اسے علم الاسماء عطا کیا گیا ہے جس سے وہ کائنات کے سربستہ رازوں کا کشف کرتا ہے اور انھیں اپنی تہذیب و تمدن کے فروغ کے لیے استعمال کرتا ہے۔ امتحانی طور پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو نفس بھی دیا ہے۔ خود، خود غرض ہوتا ہے اور خود سر بھی۔ وہ ساری خیر اور بھلائیاں اپنے لیے ہی سمیٹنا اور جمع کرنا چاہتا ہے۔ انسانی نفس میں ہونے والی یہ سچائی اور جھوٹ، حق و باطل، خیر و شر، اچھائی برائی کی یہ جنگ ازل سے جاری ہے اور جاری رہے گی، لیکن انسانیت نے سفلی جذبات کے مقابلے میں ہمیشہ اقدارِ عالیہ پر یقین رکھا ہے اور ہم مسلمانوں کا یہ ایمان ہے کہ انسانی زندگی کی استواری، فلاح اور ترقی درحقیقت ان عالی اقدار پر ہی ہوتی ہے۔ یہ کوئی وہمی بات یا خیالی پلاؤ نہیں بلکہ ہمیشہ سے قائم شدہ مسلمہ اصول ہے۔

زندگی کی ابتداء سے لے کر آج تک زندگی کے اندھیرے سے اندھیرے ماحول میں بھی لوگوں کی اعلیٰ ظرفی، بلند ہمتی، سماجی اور انسانی خدمت کے مظاہر میں پائی جاتی رہی ہے۔ کائنات کی عمر تو اللہ خالقِ کائنات ہی جانتے ہیں مگر انسانیت ہزاروں سال سے ترقی کرتی رہی ہے۔ اس کے معیار اور تہذیب کی بلندی کے مظاہر برابر بلند ہوتے رہے اور ثقافت و تمدن آگے بڑھتے رہے اور اس کے نئے نئے معیار وجود میں آتے رہے۔ اس دوران تمام ادوار کے انسانوں نے انسانی اقدار اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے اللہ کے رسولوں کے ذریعے اللہ جل شانہ کا پیغام سنا۔ سب سے آخر میں سرورِ دو عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم انسانیت کو وہ آخری اور ابدی پیغام دیا جس نے دین کو مکمل کر دیا۔ انسان کو اس کا مقصدِ تخلیق بتایا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے عبادات کا نظام، معاملات کا سلیقہ، معاشرت کے اطوار، اخلاقیات کا وطیرہ اور سیاسیات کے معیاری اصول و قواعد سے آگاہ کیا۔ اس آفاقی پیغام کو امت نے برضاء و رغبت سنا اور قبول کیا اور اس پر عمل کرنے کی سعی و جدوجہد کی اور ایک ایسے معاشرے کی تشکیل و تنظیم کی کہ جس میں لوگ اللہ کے دیئے ہوئے نظام کے مطابق اپنے انفرادی اور اجتماعی یا گروہی اختلاف کے باوجود انسانی اخوت، مساوات، بھائی چارے، صلہ رحمی اور ایثار کے ایک ایسے رشتے میں بندھ گئے۔ جہاں ہر شخص دوسرے کے مفاد کو اپنے مفاد سے برتر سمجھتا تھا۔ مال دار اپنی

دولت وثروت میں غرباء اور مساکین کو شریک کرتے تھے اور ان پر احسان نہیں جتلاتے تھے۔ غریب امیر سب ایک دوسرے کا ان کے کردار اور تقویٰ کی بنیاد پر احترام کرتے تھے۔ اسلامی معاشرے میں لوگ حسب ونسب، رنگ وروپ، زبان وعلاقہ، طبقاتی اختلاف اور دولت کی تقسیم کی بنیاد پر چھوٹے بڑے نہیں سمجھتے جاتے تھے بلکہ انسانیت نوازی، حسن اخلاق، مروت اور انکساری کی بنیاد پر بڑے سمجھتے جاتے تھے۔

تہذیب کے اس موجودہ دور میں تو ان انسانی اقدارِ عالیہ کی ضرورت اور بھی زیادہ ہے۔ اگر ہم ان اقدار کی پروا نہ کریں یا انھیں پستی کی علامت سمجھیں تو اپنی سائنسی اور علمی ترقی کے باوجود پستی اور گراوٹ کے اندھیرے گڑے میں جاپڑیں گے۔ انسان نے بڑی بڑی معرکۃ الآراء ایجاد کرلیں۔ دنیا کو گلوبل ویلج بنادیا۔ چاند کا سفر کرلیا۔ مریخ کی طرف جانے کی تیاری ہے لیکن اگر اسلامی اقدار اور انسانیت کی صفات سے عاری ہوں تو ہم بے سکون، غیر مطمئن اور اطمینانِ قلب کی نعمت سے محروم ہیں۔ یہ خام خیالی کہ آدمی نے سائنسی ترقی کرلی ہے اور ایجادات واختراعات سے فائدہ اٹھایا جارہا ہے تو یہ انسان کی ترقی ہرگز نہیں ہے۔ کیوں کہ سائنسی ترقی کے باوجود آج کا انسان اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہیں کررہا ہے بلکہ مادرِ فطرت (Mother Nature) کا ناخلف بیٹا بن کررہ گیا ہے۔

اب اسے اخلاقی اقدار کا پاس نہیں، جنسی انارکی کو وہ جائز سمجھتا ہے۔ اخلاقی اقدار کا منکر ہے اور انھیں غیر ضروری سمجھتا ہے۔ اس سائنسی ترقی کے باوجود یہ حضرتِ انسان بے چین ہے۔ آج کی نام نہاد مہذب اور متمدن دنیا میں جس قدر قتل وغارت، لوٹ مار، عصمت وعفت کے تصورات کی بے حرمتی، لواطت، لیسبیئن ازم، بے راہ روی، منشیات اور ہرگندے سے گندے ترکام کی آزادی حاصل ہے۔ آج سے پہلے تک اس کا تصور بھی ناممکن تھا مگر ان تمام مادر پدر آزادیوں کے باوجود جس قدر نفسیاتی انتشار، دماغی امراض، جذباتی ہلچل اور یاسیت وقنوطیت آج عام ہے۔ وہ پہلے کبھی نہ تھی اور مشرق جہاں اخلاقی اقدار کا کچھ احترام باقی تھا اسے مٹانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ کہیں جدت پسندی اور کہیں روشن خیالی کا راگ الاپ کر معاشرے کو اُسی ڈگر پر ڈالنے کی کوشش کی جارہی ہے جس کا ذکر ہم پہلے کرچکے ہیں۔

امریکہ میں آج بھی نسل پرستی کے مظاہر عام ہیں، کالے امریکی گورے امریکیوں کی نفرت کا شکار ہیں۔ کیا یہی ترقی کے مظاہر ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ترقی کے اس نام نہاد دور میں انسانیت دبتی جارہی ہے اور انسان حیوانیت کے چولہے میں ابھر رہا ہے۔ انسان اپنی انفرادی ذات میں مرکوز ہوتا جارہا ہے۔ وہ اپنی خواہشات کا غلام ہے اور اپنی آرزوؤں کا بندہ۔ کیا واقعی یہ ترقی ہے، یہ تو سراسر انسانیت کی پستی ہے۔

صورتِ واقعہ یہ ہے کہ آج ترقی پسند انسان صرف اور صرف مادی مفادات پر یقین رکھتا ہے۔ مغرب کے خاص حالات نے انھیں چنگیزیت کی طرف مائل کردیا ہے۔ وہ اپنے ذرا ذرا سے فائدے کے لیے کمزور اقوام کو آپس میں لڑاتے اور پھر تصفیہ کے لیے دوڑ کر وہاں جاتے اور کہانی کے اس بندر کی طرح جس نے روٹی کے ایک ٹکڑے پر جھگڑنے والی بلیوں

کا تصفیہ کرنے کے بہانے ساری روٹی خود ہڑپ کر لی تھی۔ وہ اقوام کو اپنا زیرنگیں اور دستِ نگر بنا لیتے ہیں۔ آج کم وبیش سارے مسلمان ممالک اسی معنیٰ میں مغرب کے غلام ہیں۔

ہماری تاریخ بتاتی ہے کہ جب مسلمانوں کو اسلام کی حقانیت پر پورا یقین تھا اور وہ اسلامی نظام پر پوری طرح عامل تھے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد پورے کرنے والے تھے تو انھیں زندگی کے ہر میدان میں سبقت اور برتری حاصل تھی۔ وہ سیاسیات، اقتصادیات اور معاشیات کے ماہر تھے۔ علم وہنر اور فن میں سب سے آگے تھے۔ سائنسی ایجادات واکتشافات میں حیرت انگیز کارنامے سرنجام دیتے تھے۔ سیاست میں کھرے اور جنگ میں مَشّاق تھے اور چہار دانگ عالم میں ان کا طوطی بولتا تھا۔

یہ مغرب جو آج مسلمانوں کا مربی، رہنما اور مختار بن گیا ہے، وہ چند صدی قبل مسلمان علماء اور مسلمان سیاست دانوں کا شاگرد رہا ہے۔ کیوں کہ اقدارِ عالیہ مادی اور سائنسی ترقی میں رکاوٹ نہیں بنتیں بلکہ چونکہ توحید کا تصور دلوں سے مظاہر فطرت کا خوف نکال دیتا ہے۔ اس لیے مسلمان ان پیچیدہ مظاہر فطرت کو پہچاننے کے لیے کوشاں رہتے تھے اور سائنسی ایجادات سے فائدہ اٹھاتے تھے۔

روشن خیال لوگ یہ کہتے ہیں کہ عالم گیر اخلاقی اقدار پر ایمان لانے اور ان پر عمل پیرا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہم پھر اونٹوں اور خچروں کے دور میں لوٹ جائیں اور موجودہ جدید سائنس کی ایجاد کردہ سہولتوں سے فائدہ نہ اٹھائیں۔ یہ ایک زبردست غلط فہمی ہے، جسے دور ہونا چاہیے۔ اخلاقی اقدار کو اپنانے کا مطلب یہ کبھی بھی اور قطعاً نہیں ہے کہ ہمیں پھر کسی صحرائی زندگی کی طرف لوٹ جانا ہوگا۔ جہاں نہ ہوائی جہاز ہوں گے نہ کمپیوٹر اور نہ ہی انٹرنیٹ اور نہ ہی جدید سہولتیں۔ نہیں ایسا قطعاً نہیں ہے جس زمانے میں مسلمان طبیعات، کیمسٹری، ریاضی، نجوم وفلکیات اور سمندروں پر تخصصات کر رہے تھے تو انھوں نے اپنے اخلاق وکردار اور حسنِ معاملات کو بالائے طاق تو نہیں رکھ دیا تھا بلکہ حسنِ اخلاق اور حسنِ عمل کی وہ مثالیں قائم کی تھیں جو آج بھی پڑھنے والوں کے لیے مسرت وتحسین کا باعث بنتی ہیں۔ اس لیے اقدارِ عالیہ کے ماننے اور مادی ترقی کو اخلاقی ترقی کا پابند رکھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم کاروں اور ہوائی جہازوں پر سفر نہ کریں یا فلکیات پر ریسرچ نہ کریں یا سٹیلائٹ نہ بنائیں بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم انسانی آبادیوں کو تباہ کرنے والے ہتھیار اور انسانی عظمت ووقار کو مجروح کرنے والی چیزوں کو اخلاقی اقدار کا پابند بنائیں۔

مختصر یہ کہ امورِ خیر اور اقدارِ عالیہ خود انسان کے لاشعور میں موجود ہیں۔ انھیں صرف لاشعور سے شعور میں لانے کی ضرورت ہے۔ یہ کام ذات باری تعالیٰ پر ایمان، رسالت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور آخرت پسندی کے شعور سے ہی ہوسکتا ہے اور صرف یہی ترقی وعروج کا اسلامی معیار ہے۔